رضیہ فصیح احمد کے ناول ''آبلہ پا'' میں معاشی تصورات۔ایک جائزہ

ڈاکٹر صائمہ اقبال

Dr. Saima Iqbal,
Lecturer, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Razia Fasih Ahmad is an award- winning author with more than twenty books, from biographies to novels, published in the Urdu language. In this novel "Abla Pa" she presented economic concepts with reference to the city of Lahore as well as the wealthy, non –rich and northern region. For almost three decades of Pakistan , national and religion values were in decline and economic misery. At that time people were wealthy,who hid their identities and wore fake faces.in this novel, she presented the economic situation after the establishment of Pakistan. This article provides an overview of the economic concepts contained in novel "Abla Pa".

قیام پاکستان کا واقعہ برصغیر کی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔اس واقعہ نے ہندوستان میں رہنے والے ہر فرد کی زندگی کو متاثر کیا۔ اگرچہ یہ ایک سیاسی واقعہ ہے لیکن اس نے عوام کی سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی، مذہبی اور معاشی زندگی کو بھی متاثر کیا۔ تقسیم ہند سے پہلے اور تقسیم ہند کے بعد کئی سطحوں پر بہت سی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ ادباء نے ان تبدیلیوں کو موضوع سخن بنایا۔ قیام پاکستان کے حالات، معاشی بحران، ہجرت کا دکھ، سماجی سطح پر اتار چڑھاؤ، مہاجرین کی آبادکاری اور ملکی معیشت پر اس کا اثر اور نئے معاشی منظر کے حوالے سے کوئی نہ کوئی تحریر سامنے آتی رہی۔

عوام الناس اس نئے ماحول کا مقابلہ کس طرح کر رہے تھے۔ ان کے قلب و ذہن پر ہونے والے واقعات نے کیا تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ ایک طرف طبقہ اشرافیہ اور جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ کا منظر نامہ اور دوسری طرف نچلے طبقے کی سماجی اور معاشی حیثیت کیا ہو گی۔ نئی مملکت میں نیا سماجی و حکومتی نظام، متوسط اور نچلے طبقے کا استحصال اور معاشی بحران یہ تمام مسائل قیام پاکستان کے بعد اردو کے ناولوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم رضیہ فصیح احمد کے

ناول " آبلہ پا" میں معاشی تصورات کا جائزہ لیں گے۔

انسان کی ابتدائے آفرینش میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح خالق بشریت نے اسے وجود عطا فرمایا اسی طرح اس کی تمام ضروریات کا بھی انتظام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جنت میں مکین فرمایا اور اس کی تمام معاشی کفالت بھی فرمائی اور اس کی بھوک، پیاس، افلاس اور رہائش کے انتظام کا اعلان بھی ان الفاظ میں فرمایا:

"ان لک الا تجوع فیھا و لا تعریٰ و انک لا تظموء فیھا و لا تضحیٰ"(١)

ترجمہ: "مجھ کو یہ ملا کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں، نہ دھوپ۔"

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجا تو ضرورت معاش کے ساتھ اسے کسب معاش کی صلاحیتوں سے نوازہ اور اس کی صلاحیت کو آرزوئے خوب سے خوب تر کی مہمیز لگائی۔ اس وجہ سے مختلف ذرائع معاش میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہی ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"و لقد مکنکھم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش"(٢)

ترجمہ: " ہم نے تمھیں زمین میں با ختیار بنا کر تمھاری معیشت کا سامان اس میں رکھ دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کو زمین اور اس کے خزانوں کے ساتھ مربوط فرمایاہ ے۔

رضیہ فصیح احمد

رضیہ فصیح احمد معروف ناول نگار ہیں۔ 'آبلہ پا" ناول ١٩٦٤ء میں لکھا۔ اس ناول کو 'ہوٹل چمنستان' میں رہنے والے کرداروں کے حوالے سے معاشی تصورات بیان کیے ہیں۔ 'چمنستان ہوٹل' میں ہر طرح کے اور ہر پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے تھے۔ اس ناول میں ہمیں دو طبقات نظر آتے ہیں۔ ایک امیر طبقہ اور دوسرا غریب طبقہ کہلاتا ہے۔ اس ناول میں آنے والے اہم کردار اور ان کے پیشے یہ ہیں۔ اس میں اہم کردار 'اسد گیلانی' کا ہے جو انجینئر اور نو دولتیہ ہے۔ اس ناول کا اہم کردار 'عذرا' کا ہے اس کا باپ بزنس مین ہے۔ اس کا چچا 'احمد' بھی بزنس مین ہے۔ اس ناول میں ایک کردار شمسہ باجی اور اس کے خاوند امجد بھائی کا ہے جو پیشے کے اعتبار سے ادیب ہیں اور آخر میں عامر ہے جو وکیل ہے۔

اس ناول میں ہمیں بہت سے پیشہ ور لوگ نظر آتے ہیں۔ رضیہ فصیح احمد نے اس ناول میں دولت مند، نو دولتیے، ڈاکٹر، وکیل، ادیب، خانسامے، دھوبی، تانگہ چلانے والے، فقیر، چھابڑی والے، ہوٹل والے، پرچون فروش، کوئٹہ اور

شمالی علاقہ جات میں جنس فروش خواتین کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔

اس ناول کے تین حصے ہیں۔ ہر کردار اپنی داستان خود سناتا ہے۔ ناول کے آغاز میں ہماری ملاقات صبا اور اسد سے ہوتی ہے۔ جو چمنستان ہوٹل میں رہائش پذیر ہیں۔ اس ناول میں مصنفہ نے ہوٹل چمنستان کو معاشی لحاظ سے زوال آمادہ دکھایا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد تقریباً تین عشرے قومی اور مذہبی اقدار کے زوال، مغربیت پسندی اور معاشی بدحالی کا شکار رہے تھے۔ اس زمانے میں زیادہ تر لوگ نو دولتیے تھے۔ جو اپنی اصلیت چھپا کر مصنوعی چہرے چڑھائے ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کرتے تھے اسی پس منظر میں اسد کا کردار تخلیق کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اس کہانی کے موضوع کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''پاکستان میں چھٹا عشرہ سماجی لحاظ سے ایک اہم موڑ ہے۔ جوں تو اس ملک میں پرانی قدروں اور فرسودہ روایات کے خلاف جہاد، نئے تعلیم یافتہ طبقے نے شروع ہی سے برپا کر دیا تھا۔ لیکن اس عشرے کے دوران اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہوئی۔ دولت کے حصول کی خواہش اور مغربی انداز فکر نے مشترکہ خاندانی نظام کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ ناول کا ہیرو اسی طبقے سے تعلق رکھتا ہے، جو اعلیٰ تعلیم کے بل بوتے پر معاشرتی لحاظ سے اونچا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن مادیت پرستی اور مصنوعی اخلاقی رویوں کے تحت نہ تو ماضی سے تعلق رہ پاتا ہے اور نہ ہی نئی منزلوں پر جست لگا پاتے ہیں۔''(۳)

'آبلہ پا' ناول کا موضوع اصل میں وہ معاشرہ ہے جو اپنی اقدار چھوڑ کر مغربیت کا شکار ہو رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے 'چمنستان ہوٹل' کو علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس ہوٹل میں ملکی اور غیر ملکی لوگ آ کر ٹھہرتے ہیں ۔ جن میں اسد اور صبا بھی ہیں۔ مصنفہ نے اس ناول میں ایک وسیع معاشرہ دکھایا ہے۔ اس معاشرے میں معاشی لحاظ سے ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ اس میں پشاور کے پسماندہ غریب اور غلیظ زندگی گزارنے والے لوگ ہیں جنھیں دو وقت کی روٹی اور بروقت طبی سہولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے اپنی جان دینی پڑتی ہے۔ مصنفہ نے اس ناول میں شمالی علاقہ جات کی غربت کو بھی اس ناول میں موضوع بنایا ہے۔ ان خوبصورت علاقوں میں ذرائع معاش نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہاں کے لوگ اپنی معاشی حالت سے تنگ آ کر اپنی عورتوں سے دھندا کرواتے ہیں۔ مصنف نے مغربی زندگی کے اس گھناؤنے روپ کو بھی پیش کیا ہے۔ جو اکثر نظروں سے اوجھل رہتا ہے کہ مغرب میں بھی عورتیں معاشی لحاظ سے اس قدر تنگدست ہیں کہ خود کو بیچ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

رضیہ فصیح احمد نے اس ناول میں جن موضوعات کو بیان کیا ہے وہ اصلی اور حقیقی ہیں۔ 'اسد' جیسا کردار

ہمارے معاشرے کا ایک بڑا کردار ہے۔ جو محض دولت کے حصول کے لیے اور اپنے معاشی رتبے کو بلند کرنے کے لیے ہر جائز اور ناجائز راہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس موضوع کے انتخاب کے لیے مصنفہ نے جن طبقات کا ذکر کیا ہے اس میں ہر پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں اور یہ کردار اپنے اپنے دائرے میں سفر کرتے ہیں۔

''آبلہ پا'' میں مرکزی کردار 'صبا' کا ہے۔ صبا ایک نرم دل رکھنے والی لڑکی کا کردار ہے۔ اس کردار کے ذریعے ہی ہم کو 'چمنستان ہوٹل' کے پیچھے کوارٹروں میں موجود گندی اور غلیظ زندگی کے حوالے سے معاشی تصوارت کا پتا چلتا ہے۔ اس نچلے طبقے کی معاشی بدحالی اور بے بسی اس بڑے ہوٹل کے پیچھے چھپ گئی ہے۔ صبا ان لوگوں کو دیکھ کر دکھی ہو جاتی ہے اور سوچتی ہے کہ لوگ کس طرح ان گندے کوارٹروں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ معاشی لحاظ سے اتنے پست کیوں ہیں۔ رضیہ نے ان لوگوں کے حوالے سے معاشی تصور کو اس طرح پیش کیا ہے:

> '' ابھی ابھی بارش کے بعد موسم کھلا تھا۔۔۔ ہوٹل کی دیوار پر رکھے ہوئے نیلے، سرخ، پیلے اور سفید گول ہانڈیوں کی شکل کے خوبصورت گملے اور ان میں لگے ہوئے پودے نکھر آئے تھے اور کوارٹروں میں اونچے اونچے تہمند اور پجاموں میں، کندھوں پر تولیہ ڈالے مرد ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ ننگ دھڑنگ سیاہ فام بچے جگہ جگہ بھرے ہوئے پانی میں چھپاچھپ مچا رہے تھے اور عورتیں سیلی ہوئی لکڑیاں پھونک پھونک ان لکڑیوں کی طرح آہستہ آہستہ سلگ رہی تھیں۔ کوارٹروں کے پاس پڑا ہوا کوڑے کا انبار شاید اپنی اہمیت جتانے کو بارش سے پسر کر پھیل گیا تھا اور بدبو دے اٹھا تھا۔'' (۴)

مصنفہ نے نہایت خوبصورتی سے دو مناظر کی تصویر کشی کر کے دو طبقات کے معاشی تفاوت کو پیش کیا ہے۔ کوارٹروں میں زندگی بنیادی ضروریات کے لیے ترس رہی ہے۔ انہی کوارٹروں میں ہر طرح کے معمولی پیشہ ور لوگ موجود ہیں۔ جو نہایت پستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں ایک دھوبی بھی ہے۔ اس کی بیوی نے ایک مردے بچے کو جنم دیا ہے۔ ان کے معاشی وسائل اتنے نہیں ہیں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں۔ ان کے پہننے کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ وہ جس گھر میں رہتے ہیں وہ چھوٹے سے ایک کمرے پر مشتمل ہے۔ اس کی بیوی کا بہت خون ضائع ہو چکا ہے۔ دائی پاس نہیں ہے کیونکہ اس کی غلطی کی وجہ سے اب اس دھوبی کی بیوی کی موت یقینی تھی۔ لیکن ان سب کے باوجود وہ اس پر راضی تھے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں تھے کی اگر وہ معاشی لحاظ سے مضبوط ہوتے تو وہ اپنا علاج کروا سکتے تھے۔ رضیہ فصیح احمد اس معاشی شعور کی طرف اس طرح اشارہ کرتی ہیں :

> ''انھیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ بروقت اسے ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا تو وہ بچ جاتی ۔ اگر اسے پوری طبی امداد مل جاتی تو یہ کیس اتنا خطرناک نہیں تھا۔ بڑے بڑے

ہسپتالوں میں اس قسم کی مریضاؤں کو دواؤں کے ذریعے یا خون دے کر بڑی آسانی سے بچایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ باتیں نہیں جانتے کیوں کہ انھوں نے کبھی یہ چیزیں نہیں دیکھیں۔ انھوں نے صرف ڈاکٹروں کے نخرے اور فیسیں دیکھی ہیں۔"(۵)

یہ لوگ خدا کی رضا میں راضی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی معیشت کے مختلف طریقے نکالے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جاہل ہیں، توہم پرستی پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کو جنوں اور پریوں کا ڈراوا دے کر مولوی لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ پیٹ کاٹ کاٹ کر پیسے جمع کرتے ہیں لیکن درباروں کے مجاور، پیر اور مولوی ان کا معاشی استحصال کرتے ہیں۔ وہ ان کو لوٹ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اپنی بیویوں سے جنسی دھندا بھی کرواتے ہیں۔ یہ لوگ ہوٹل کے پاس رہتے ہیں۔ ہوٹل میں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ ان میں اندرون ملک اور بیرونِ ملک سبھی کے باشندے شامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جنسی عیاشیوں کے لیے انہی عورتوں کا استعمال کرتے ہیں اور ان کی مالی مدد بھی کرتے ہیں مصنفہ نے اس معاشی تصور کی طرف ڈھکے چھپے لفظوں میں اشارہ اس طرح کیا ہے:

"برکت مسیح کے بچے تو اپنی عادات واطوار اور شکل وصورت کے لحاظ سے اتنے متنوع تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ کسی کی آنکھیں نیلی، بال بھورے اور گورا چٹا تو کوئی کالا بھجنگ، چپٹی ناک اور چیاں سی آنکھوں کا مالک ہے۔ ان سب کے نام بھی اسی طرح مختلف زبانوں اور مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑا بچہ ناصر مسیح تو چھوٹا جان البرٹ، ایک لڑکی کا نام حمیدہ بیگم تو دوسری کا نام الیزبتھ۔۔۔ سگے بہن بھائیوں میں فرق کیوں؟"(۶)

رضیہ فصیح احمد نے صبا کے روپ میں غریب عوام کی معاشی اصلاح کار کو دکھایا ہے۔ صبا ہر وقت ان بد حال لوگوں کہ اصلاح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس نے ایک فقیر کو اپنی جہیز کی قیمتی شال دے دی تھی۔

ناول نگار نے اسد کے خاندان کے ذریعے لاہور کی معاشی حالت کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا ہے۔ لاہور کی تنگ و تاریک گلیوں میں معاشی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے غربت ناچتی نظر آتی ہے۔ صفائی کا مناسب انتظام نہیں تھا۔ انسان اور جانوروں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مصنفہ نے اسد کے خاندان کی معاشی حالت کو جس طرح بیان کیا ہے اسے دل لرزنے لگتا ہے۔ مصنفہ معاشی شعور رکھتی ہیں اس لیے شعوری طور پر معاشرے کے اس راز سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ صبا کوڑا کرکٹ اور بارش کے تعفن زدہ پانی سے گزر کے اسد کے گھر پہنچتی ہے۔ صبا نے وہاں گھر کی جو صورت حال دیکھی اس کی منظر کشی مندرجہ ذیل ہے:

"وہ صحن میں بکھری ہوئی مختلف چیزوں کو باری باری دیکھنے لگی۔ باورچی خانے کے آگے

صحن کی موری پر مختلف قسم کے میلے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ نزدیک دو تین پرانے گھڑے پانی سے بھرے یا خالی رکھے تھے۔ یہاں وہاں مختلف قسم کے جوتے اور چپل لڑھک رہے تھے۔ ایک کونے میں دو ایک لوٹے اوندھے سیدھے نوحہ کناں تھے۔ برتنوں کے ڈھیر پر بھنکتی ہوئی مکھیاں بہتر غذا یا زیادہ مقدار کو دیکھ کر سموسے اور پیسٹریوں کی پلیٹوں پر ہجرت کر آئیں تھیں، یہ بھی ممکن تھا کہ محلے کے بچوں کی طرح صرف صبا کو نزدیک سے دیکھنے آئی ہوں۔۔۔" (۷)

رضیہ فصیح احمد نے اس ناول میں لاہور کے مختلف پیشوں کے حوالے سے معاشی تصور پیش کیے ہیں۔ صبا گھر کی معاشی حالت سے پریشان ہو کر باہر بازار کی کھڑی کھولتی ہے تو اس نے مختلف محنت کرنے والے لوگوں کو دیکھا۔ نیچے بازار میں ہر پیشے سے متعلق لوگ موجود تھے۔ جو دنیا کے کام خوشی خوشی اور مہارت سے کر رہے تھے:

"وہاں چارپائی پر ایک حجام پوری فراغت سے ایک گاہک کی حجامت بنا رہا تھا۔۔۔ کھجور اور گنڈیریوں کے ٹھیلے والے گاہکوں سے پہلے مکھیوں کو پیٹ بھرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے آپس میں اطمینان سے باتیں کر رہے تھے۔۔۔ ذرا فاصلے پر ہوٹل تھا جس کی پیشانی دھویں سے اٹی ہوئی تھی اور سفیدی سے لکھا ہوا تھا" غریب نواز ہوٹل" آج بھی چمکنے کی کوشش میں مصروف تھا۔۔۔ سامنے ترکاری اور پنساری کی دکان تھی۔۔۔" اے حاجی صاحب چار آنے کا گھی دینا، اے حانجی جی چھ پیسے کا گڑ دو" کی آوازیں آ رہی تھیں اور صبا حیران تھی کہ اس مہنگائی کے زمانے میں واقعی چار آنے کا گھی اور چھ پیسے کا گڑ مل جاتا ہے۔ یا کوئی خیالی چیز ان کے ہاتھ پر رکھ دی جاتی ہے۔"(۸)

گھر کے اندر اور گھر کے باہر کی پست معیار زندگی اور معاشی بدحالی کو دیکھ کر صبا پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگیوں میں مگن ہیں اور اس سے باہر نکلنے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہیں۔ جب صبا جانے لگی تو اس کو کسی نے نہ روکا کیونکہ ان کی معاشی حالت اس بات کی متحمل نہ تھی کہ وہ صبا کو مزید ایک دن روک سکتے۔ اس بارے میں ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

"۔۔۔ ہر معروض پر اگندگی، اضمحلال و اختلال اور نیستی کے دہانے پر کھڑا ہوا بیماریاں اور معذوریاں اس پر مستزاد اور چہار سو بال بکھرے مسلط، غرض یہ پورا ماحول نکہت و افلاس، تاریکی و توہم پرستی اور احساس کمتری و ناداری کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے ۔۔۔ یہ تصویریں کاہے کو ہیں۔ دراصل ایسے لرزاں سائے میں جو ہر طرف منڈلاتے

نظر آتے ہیں اور بے بسی اور ہیبت ناکی کے احساس کو شدید کر رہے ہیں۔" (٩)

صبا نے جب اسد کے گھر والوں کی مفلسی دیکھی تو اپنی امارت پر فخر کرنے کی بجائے ان کی معاشی مدد کی۔ اس کے پرس میں جتنے پیسے تھے وہ اپنی ساس کی جھولی میں ڈال آئی تھی۔

اسد کا کردار صبا کے کردار سے بالکل اُلٹ ہے۔ اسد کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے۔ لیکن اس کے لباس اور رہن سہن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی امیر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ذہنی عیاشی کا شکار ہے۔ 'بوبی' اس کا ناجائز بیٹا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جو معاشی لحاظ سے مضبوط ہو اور اس کو معاشی سہارا دے سکے۔ وہ خود تو اچھی زندگی گزارتا ہے اوراپنی تنخواہ خود پر ہی خرچ کرتا ہے۔ لیکن اپنے گھر والوں کی اصلیت سب سے چھپاتا ہے۔ کسی کی بھی معاشی مدد نہیں کرتا ہے۔ بلکہ صبا کو اس لیے ڈانٹتا ہے کہ اس نے فقیر کو اتنی مہنگی شال کیوں دے دی۔ اسد کے کردار میں تعیش، نفس پرستی، مادہ پرستی اور انسانی کمزوریوں کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔ رضیہ فصیح احمد نے اسد کے کردار کے ذریعے بھی معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔

اس ناول میں ایک کردار بچے " بوبی" کا بھی ہے۔ 'بوبی' تین سال کا بچہ ہے۔ یہ بچہ سرمایہ دارانہ سماج کی ذہنی عیاشیوں کے حوالے سے معاشی تصور کو پیش کرتا ہے۔ یہ سرمایہ دار لوگ غریب اور تنگدست عورتوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ ان سے جنسی تعلق پیدا کرتے ہیں اور اس نتیجے میں پیدا ہونے والوں بچوں کو معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ روبینہ بھی مغرب زدہ ہے۔ وہ بھی نمود و نمائش کی چلتی پھرتی تصویر ہے۔ دولت کا بجا استعمال کرتی ہے۔ ڈانس کلب اور کھلے بندوں پھرنا اس کا مشغول مشغلہ ہے۔

اس ناول کا ایک کردار 'عامر' کا ہے جو پیشے کے اعتبار سے وکیل ہے اور صبا کی ہر ممکن مدد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ شمسہ باجی اور امجد ہیں جو پیشے کے اعتبار سے ادیب ہیں۔ ان کے ذریعے ہی اسد کے راز سے پردہ اٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ 'چمنستان ہوٹل' میں بہت سے کردار ایسے ہیں جو مختلف معاشی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیشہ اپنی اصلیت چھپاتے ہیں۔ 'آبلہ پا' میں بہت سے کردار ہیں اور یہ جتنے بھی کردار ہیں وہ پاکستان کے قیام کے بعد کے معاشرے کی معاشی حالت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ ناول بھی معاشی تصورات کے حوالے سے اردو کا اہم ناول ہے۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد معاشی طور پر جو تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان سب کا ذکر اس دور کے ناول نگاروں نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق کیا ہے۔ اس دور میں لکھے جانے والے ناول ان معاشی تصورات کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔

حوالہ جات

١۔ ایضاً : ١١٩-١١٨

۲۔ الاعراف:۱۰

۳۔ ممتاز احمد خاں، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ص: ۲۱۴

۴۔ رضیہ فصیح احمد، آبلہ پا، کراچی: اکادمی بازیافت، مئی ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۴

۵۔ ایضاً، ص: ۱۶۱

۶۔ ایضاً، ص: ۱۵۹۔۱۵۸

۷۔ ایضاً، ص: ۱۹۴

۸۔ ایضاً، ص:۱۹۶

۹۔ اسلوب احمد انصاری، اردو کے پندرہ ناول، علی گڑھ: یونیورسل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء، ص:۲۶۳